ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کی نعتیہ شاعری کا علمی جائزہ

Scientific Review of Dr. Allama Muhammad Iqbal's Natiya Poetry

*اسماء فقیر
**سیما گل

Abstract

In his poetry, Iqbal invokes Prophet Akhir al-Zaman (PBUH) in many ways and expresses his heartfelt love and connection with him. Among these blessed names are the honorific titles such as Danai Sabal, Khatam-ul-Rasul, Maulay Kal Pais, Taha, Risalat Ma'ab, Risalat Panah, Rasul Mukhtar, Rasul Pak, Rasul Arabi, Rasul Hashmi, Sarwar Alam, Shahneshah Moazzam, Mir Arab and Kamliwale. Through whom Iqbal presents the problems of this Ummah in Bargah Rasool P which has the status of "Ummat Ahmad Mursal" and "Millat Khatm Rasul".

He explains that the nation of Islam has the honor of being the nation of a prophet and a messenger that is unique in its composition, which is not based on geographical boundaries and consciousness, but on the Kalima Tayyaba La ilaha illa Allah Muhammad. It is placed on Rasool Allah. This is such a tradition in which the right of supremacy is not given to color, race, blood or region, but only to piety, and the most perfect person for this nation until the Day of Judgment is the Holy Prophet, may God bless him and grant him peace.

Iqbal strongly expresses the fact in his Urdu and Persian words that the members of the Muslim Ummah should understand that it is the love of Muhammad that makes the heart of a Muslim stronger and resists heat and inflammation. However, seeing the plight of the nation, their eyes are raised towards the place of Prophethood. In this article, a scholarly review of his Natiya Kalam has been done.

Keywords: Iqbal, Millat Khatm Rasul, Holy Prophet, Akhir al-Zaman, Muslim Ummah

*ویزٹنگ لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، باچاخان گرلز ڈگری کالج، پشاور
**اسسٹنٹ پروفیسر، خیبر لاء کالج، یونیورسٹی آف پشاور

اللہ کی وحدانیت کا اعلان کرنے والے انسانی معاشرے میں اللہ کے قانون کے عملی نفاذ کا نمونہ دکھانے والے نفوسِ قدسیہ صرف انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔حضور اکرم ﷺ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اللہ کا دین مکمل ہوگیا ہے اس لیے رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے کیوں کہ انسانی معاشرے میں انفرادی اور اجتماعی عمل کی تمام حدود نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعے متعین فرمادی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے اپنی فکری تحریروں اور تخلیقی نقوش میں توحید و رسالت پر ایمان ہی کو ملت اسلامیہ کی اساس قراردیا ہے۔ اقبال کا عرفان رسالت شش ابعادی ہے:

(الف) منصب رسالت کی ایمانی سطح پر قبولیت

(ب) ذات رسالت مآب ﷺ سے عشق کی سطح کا تعلق

(ج) جذبہء خود سپردگی کے لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قلبی تعلق کا شعری اظہار

(د) پیغام رسالت کو عام کرنے کا جذبہ

(ہ) بھٹکے ہوئے (مسلمان) راہی کو سوئے حرم لیجانے کی آرزو کا مسلسل اظہار اور انتھک قلمی کاوش ۔۔۔اور

(و) مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی سعی کہ اللہ کے بعد صرف اور صرف حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی کائنات کی ''مرکزی مطاع ذات '' ہے۔ان ﷺ سے قبل (کیوں کہ سابق انبیائے کِرام کا عہدِ نبوت گزرچکا ہے)اور نہ ان ﷺ کے بعد کوئی ایسی ہستی ہے جس کو ''مطاع'' (لائقِ اطاعت) تسلیم کرکے اس کی محبت اختیار کی جائے یا اس کی اتباع کی جائے۔ نبی علیہ السلام کے بعد آپ کی امت میں جو بھی تقویٰ اختیار کرے اور آپ ﷺ کی اتباع کرے وہ لائقِ تعظیم و تکریم ہے۔

بمصطفیؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بو لہبی است [1]

ترجمہ:''حضورِ اکرم ﷺ کی ذات تک خود کو پہنچادو(تاکہ مسلمان بن سکو۔۔۔کیوں کہ)اگر تم ان تک نہیں پہنچ سکے تو سمجھ لو کہ باقی دنیا میں تو صرف کفر ہی ہے''۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

می توانی منکر یزداں شدن

منکر از شان نبیؐ نتواں شدن [2]

"تو(اے مخاطب) کسی نہ کسی طرح خدا کا تو منکر ہو سکتا ہے لیکن رسالت محمدی ﷺ کا منکر نہیں ہو سکتا"۔

پروفیسر ڈاکٹر این میری شمل نے CONSTANCE E. PAD WICK کی کتاب MUSLIM DEVOTIONS سے ایک اقتباس دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغربی مفکرین بھی جانتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کی محبت ہی میں امتِ مسلمہ کی قوت کا راز پنہاں ہے:

"جس کسی کو مسلمانوں کی حُبِّ رسولؐ کی خبر نہ ہو، وہ اسلام کی قوت کا احساس کر ہی نہیں سکتا۔۔۔یہ جذبہء حُب ایسا شدید ہے کہ اسے تصوف کی گرمیء نفس کے مماثل کہہ سکتے ہیں۔ذاتِ رسولؐ سے محبت مسلمانوں کی وحدت اور اتحاد کا ایک بڑا موجب ہے"۔ [3]

حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات سے اقبال کا عشق جدید و قدیم فکری زاویوں سے روشناس لوگوں میں سب سے زیادہ نمایاں ہے اور مبنی بر اخلاص بھی۔شدتِ حُبِّ رسول ﷺ کا اظہار ان کے متعدد اشعار میں جا بجا ملتا ہے۔مثلاً

تب و تابِ بتکدہء عجم نرسد بسوز وگدازِ من
که بیک نگاہِ محمدِ عربی ،گرفت حجازِ من [4]

"غیر عرب دنیا کی چمک دمک میرے قلبی سوز و گداز تک نہیں پہنچتی کیوں کہ میرے حجاز یعنی دل کو میرے آقا جنابِ محمد رسول اللہ (ﷺ) نے ایک ہی نگاہ میں اپنا کر لیا ہے"۔(اب مجھے آپ ﷺ کی تعلیمات کے سوا سب ہیچ نظر آتا ہے)۔

با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یا رسولؐ اللہ ! او پنہاں و تو پیدائے من [5]

"یا رسولؐ اللہ! میں تو اللہ سے بھی آپ ﷺ کے توسط سے بات کرتا ہوں اس لیے کہ وہ میری آنکھ سے پوشیدہ ہے اور آپ ﷺ میرے سامنے ظاہر ہیں"۔

غالباً اسی شعر کی وضاحت ان کے ایک مکتوب میں ملتی ہے جو انہوں نے خان نیاز الدین خان کو لکھا تھا:

> ''میرا عقیدہ ہے کہ نبیء کریمؐ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہوسکتے ہیں جس طرح صحابہؓ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہو گا۔اس واسطے خاموش رہتا ہوں''۔ (6)

اقبال پوری قوم کو حب رسول ﷺ اور اتباع رسول کی دعوت دیتے ہیں۔ اقبال کے شعری سرمائے میں جہاں جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر مبارک آیا ہے اس میں عمومیت سے زیادہ محرکات عشق کا اختصاصی پہلو جھلکتا ہے۔ اقبال کی فکری دنیا میں جتنے نکات منصبِ رسالت کی تفہیم کے ضمن میں منصہء شہود پر آئے وہ شاید ہی کسی اور شاعر یا مسلمان مفکر کی تحریروں میں آئے ہوں۔مثلاً اپنی کتاب جاوید نامہ میں وہ حضرت شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ سے رسالت کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور پھر ان کے جوابات مثنوی کے اشعار میں موتیوں کی طرح پروتے ہیں:

گفت اقوام و ملل آیات اوست
عصر ہائے ماز مخلوقات اوست
از دم او ناطق آمد سنگ و خشت
ما بمہ مانند حاصل او چو کشت
پاک سازد استخوان و ریشہ را
بالِ جبریلے دہد اندیشہ را
آفتابش را' زوالے نیست نیست
منکرِ او را کمالے نیست نیست (7)

> ''ترجمہ:(میں نے رومی سے درخواست کی کہ مجھے پیغمبری کے بارے میں آگاہ فرمایئے) تو انہوں نے فرمایا !قومیں اور ملتیں پیغمبری کی ہی نشانیاں ہیں۔یعنی پیغمبر اپنی تعلیمات کے ذریعے ایک پیغام رساں قوم تیار کرتا ہے۔ ہمارے زمانے بھی پیغمبر کے دیئے ہوئے پیغام کی پیداوار ہیں کیوں کہ پیغمبر،زمانے کو اپنی تعلیمات کے مطابق ڈھالتا ہے۔پیغمبر کے دم سے اینٹ،پتھر بھی گویائی حاصل کر لیتے ہیں۔پیغمبر کی حیثیت کھیت کی سی ہے

اور ہم سب اس کا حاصل ہیں۔ پیغمبر، ہڈیوں اور ریشوں کو پاک کرکے، فکرِ انسانی کو شہپرِ جبریل کی قوت عطا کر دیتا ہے۔ اس (پیغمبر) کی تعلیمات کے سورج کو زوال نہیں، ہر گز نہیں ہے۔ اس کی تعلیمات سے منہ موڑنے والے کو کبھی کمال حاصل نہیں ہو سکتا، ہر گز نہیں ہو سکتا"۔

پیامِ مشرق میں بھی اقبال نے حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کے فیضان سے آشنا کرنے کے لیے واشگاف الفاظ میں کہا:

امتے بود که ما از اثرِ حکمتِ او
واقف از سِرِّ نہاں خانهء تقدیر شدیم [8]

"ہم مسلمان ایک امت تھے جو حضورِ اکرم ﷺ کی حکمت آمیز تعلیمات کے نتیجے میں رازِ تقدیر سے آشنا ہو کر عمل کی وادیوں کو سر کرنے لگے تھے"۔

مقامِ رسالت، عظمتِ رسول ﷺ اور حُبِّ رسول ﷺ کے تقاضوں سے آشنا ہو کر ہی اقبال نے اپنی شاعری میں "رسالت" کے حوالے سے بڑے فکر انگیز نکات پیش کیے ہیں۔ مثلاً رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی معراج کا پیغام اور معراج کا منشاء جتنے بھرپور انداز میں اقبال کے درج ذیل شعر میں جلوہ آراہوا ہے وہ اسلامی ادب میں نایاب چیز ہے:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں [9]

یا مقام رسالت مآب کے اظہار کی یہ کوشش:

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیء سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰس وہی طٰہٰ [10]

اقبال زندگی بھر بھٹکے ہوئے راہی کو سوئے حرم لیجانے کی آرزو کرتے رہے۔ درج ذیل قطعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے:

بمنزل کوش مانند مه نو
دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقامِ خویش اگر خواہی دریں دہر
بحق دل بند و راہِ مصطفیؐ رو [11]

"اے مسلمان تو منزل کی طرف اسی طرح بڑھتا رہ جس طرح نیا چاند اپنی تکمیل کے منازل بلا رکاوٹ طے کرتا رہتا ہے۔ تو بھی چاند کی طرح اس نیلی فضا میں ہر لمحہ بڑھتا رہ۔ اگر تو اس زمانے میں اپنا کوئی مقام چاہتا ہے تو اپنے دل کا تعلق حق سے جوڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راستے پر چل پڑ"۔

مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی اتباع کی ترغیب دیتے ہیں تو زور پیدا کرنے کے لیے انہیں تنبیہ بھی کرتے ہیں کہ اگر یہ راہ اختیار کرنا تمہارے بس میں نہیں تو دین کے راستے سے ہٹ جاؤ اور کافر ہو کر مر جاؤ!

کشودم پردہ را از روئے تقدیر
مشو نومید و راہِ مصطفیﷺ گیر
اگر باور نہ داری آنچہ گفتم
زدیں بگریز و مرگِ کافرے میر [12]

"ترجمہ: میں نے تقدیر کے چہرے سے پردہ اٹھا دیا ہے (تقدیر عمل میں پوشیدہ ہے۔۔۔ اے مسلمان! تو زوال و ادبار کے تسلسل سے) مایوس نہ ہو، بس حضور اکرم ﷺ کے راستے اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر چلنا شروع کر دے۔ لیکن اگر تجھے میری بات (پُر خلوص نصیحت) پر یقین نہیں ہے، تو دین کی راہ سے ہٹ جا اور کافر کی موت مر"۔

ایک اور مقام پر حضور رسالت مآب ﷺ کی محبت کے عملی تقاضوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

محبت از نگاہش پائدار است
سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدۂ آمد و لیکن
جہانِ عشق را پروردگار است [13]

"حضور اکرم ﷺ کی نگاہِ کرم ہو جائے (تیری محبت ان ﷺ کے دربار میں قبول ہو جائے) تو تیری محبت پائیدار (تسلیم کی جا سکتی) ہے۔ ان ﷺ سے عشق کرنے کا معیار یہ ہے کہ انہی ﷺ کا راستہ عملی زندگی میں اپنایا جائے۔ ان کا مقام "عبدہٗ" (اس اللہ کا بندہ) بتایا گیا ہے لیکن وہ بندہ عشق کے جہان کا پروردگار ہے۔ جہانِ عشق آپ ﷺ ہی کی وجہ سے زندہ ہے"۔

اقبال نے بحیثیت "زندہ رود" حسین بن منصور حلاج سے سوال کیا:

از تو پرسم، گرچہ پرسیدن خطاست
سِرِّ آں جوہر کہ نامش مصطفیٰ ست!
آدمے یا جوہرے اندر وجود
آں کہ آید گاہے گاہے در وجود! (14)

(اے حلاج!) میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں' اگرچہ یہ بھی خطا ہے۔۔۔ کہ وہ جوہر جس کا نام مصطفیٰ ﷺ ہے، آخر اس کا بھید کیا ہے؟؟؟۔۔۔ کیا وہ آدم ہے یا اپنے وجود کے اندر کوئی جوہر۔ جوہر بھی ایسا جو کبھی کبھی وجود میں آتا ہے جو صرف ان کی ذات میں آشکار ہوا؟"۔

اس سوال کے جواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی شان کا اظہار حُسین بن منصور حلاج کی زبان میں اس طرح ہوا:

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ از فہمِ تو بالا تر است
زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است
جوہرِ او نے عرب نے اعجم است
آدم است و ہم ز آدم اقدم است
عبدہٗ صورت گرِ تقدیر ہا
اندرو ویرانہ ہا تعمیرہا
عبدہٗ ہم جا نفزا ہم جانستاں
عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگِ گراں
عبد دیگر، عبدہٗ چیزے دگر

ما سراپا انتظار او منتظر
عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ ست
ما ہمہ رنگیم، او بے رنگ و بوست
عبدہٗ با ابتدا بے انتہا ست
عبدہٗ را صبح و شامِ ما کجاست
کس ز سرِّ عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جز سر الا اللہ نیست
لا الہٰ تیغ و دم او عبدہٗ
فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ
عبدہٗ چند و چگونِ کائنات
عبدہٗ رازِ درونِ کائنات
مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقامِ ما ر میت (15)

"ترجمہ: محمد مصطفی ﷺ کے سامنے کائنات بھی پیشانی ٹیکے ہوئے ہے۔ آپ ﷺ نے خود اپنا تعارف 'عبدہٗ' کہہ کر کرایا ہے۔ عبدہٗ تیری سمجھ سے بالاتر ہے۔ کیونکہ وہ آدم بھی ہے اور جوہر بھی۔ اس کا جوہر (مقامی نہیں ہے) نہ عرب سے ہے نہ عجم سے۔ وہ آدم ہونے کے باوجود آدم سے مقدم وجود رکھتا ہے۔ عبدہٗ تقدیروں کا صورت گر ہے (جو ان ﷺ کا ہو گیا اس کی تقدیر سنور گئی ورنہ تقدیر بگڑ جاتی ہے)۔ اسی عبدہٗ کے اندر انسانی تقدیر کے ویرانے اور آبادیاں پوشیدہ ہیں۔ عبدہٗ روح کو خوشی دینے والا (مومنوں کو جنت کی خوشخبری) بھی ہے اور روح کو چھین لینے والا بھی ہے (کافروں کو عذاب کی وعید سنا کر)۔ عبد اور چیز ہے اور 'عبدہٗ' اور چیز ہے۔ ہم مجسم انتظار ہیں وہ منتظر (جس کا انتظار ہے)۔ عبدہٗ زمانہ ہے اور زمانہ 'عبدہٗ' ہے۔ ہم سب رنگ ہیں وہ رنگ اور خوشبو کا محتاج نہیں ہے۔ عبدہٗ کی ابتداء تو اس کی تخلیق کے عمل سے ہو گئی لیکن اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ عبدہٗ کا زمانہ ہمارے زمانے کی طرح روز و شب کے مرور سے وجود میں نہیں آتا۔ کوئی بھی مخلوق 'عبدہٗ' کے راز سے آگاہ نہیں ہے۔ عبدہٗ دراصل کلمہ ءطیب 'لا الہٰ الا اللہ' کا ایک بھید ہے اور کچھ نہیں۔ غیر اللہ کی نفی کا کلمہ

ایک تلوار ہے جس کی دھار 'عبدہٗ' ہے۔ اگر تو زیادہ کھل کر بات سننا چاہتا ہے تو سن 'ھو' (وہی عبدہٗ) ہے۔(عبد اپنی نفلوں کی کثرت سے اللہ کی صفات کا حامل بن جاتا ہے۔ یہ ہر بندۂ مومن کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ بندۂ مومن بننے کے لیے آقائے نامدار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع ضروری ہے، اسی بات سے عبدہٗ کا مقام 'ھو' ہو گا)۔ عبدہٗ کائنات کی حقیقت ہے۔ عبدہٗ کائنات کے اندر کا راز ہے۔(اے مخاطب!) پہلے دو اشعار کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا اگر عبدہٗ کو قرآن کی آیت ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْرَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾[16] (تم نے مٹھی بھر خاک نہیں پھینکی تھی جب پھینکی تھی، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔) کی روشنی میں نہ دیکھا جائے"۔[17]

جوہر کی وضاحت کرتے ہوئے معروف مستشرق این میری شمل نے بڑی خوبصورت اور بصیرت افروز گفتگو کی ہے:

"یہ جو حضرت محمدؐ کو 'انسان اور جوھر' کا امتزاج کہا گیا، یہ ابنِ عربی اور الجیلی کی تقلید میں ہے۔ جنھوں نے انسان کامل کا نظریہ پیش کیا اور ایسے انسان کو کیدنیوی اور خدائی صفات بتائی ہیں۔ اب عبدہٗ کی حقیقت پر زور دینے کا مسئلہ اور پنجابی شاعر بلھے شاہ کے اشعار' عبدہٗ کے کلمات حضرت محمدؐ کی عظیم شان کے مظہر ہیں کیوں کہ واقعہء معراج کے بیان میں بھی (۱۷:۱) قرآنِ مجید نے پیغمبرؐ کو عبدہٗ (اس کا خاص بندہ) کہا ہے۔ (18)واقعہء اسراء میں اور معراج میں چونکہ آں حضرتؐ نے حقائق و معارف کو بے نقاب دیکھا تھا۔ لہٰذا عبدہٗ بے حد بلند روحانی مقام تھا جو انھیں نصیب ہوا۔۔۔

مردِ مومن در نسا زد با صفات
مصطفیٰ راضی نشد الاّ بذات
تاز مازاغ البصر، گیرد نصیب
بر مقامِ عبدہٗ گردد رقیب [19]

"مردِ مومن صفات کے مشاہدے پر قناعت نہیں کرتا۔ کیوں کہ رہبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی ذات کے دیدار کے علاوہ کسی نعمت کو نہیں چاہا تھا [20] یہاں تک کہ حضورِ اکرم ﷺ نے وہ مقام حاصل کر لیا جسے اللہ نے 'مازاغ البصر وماطغیٰ' (نہ تو آپ ﷺ کی نگاہ میں کجی پیدا ہوئی اور نہ حد سے بڑھی) کہا ہے اور پھر مقامِ عبدہٗ بھی حاصل کر لیا۔ بندہء مومن آپ ﷺ کی پیروی میں کامل ہو کر ذاتِ واجب الوجود کے دیدار کی منزل تک پہنچ سکتا ہے"۔ [21]

جمالِ ذات کا عاشق ہی جملہ کائنات کا سردار ہو سکتا ہے۔ اس لیے صرف حضورِ اکرم ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی تمام عالمین کی سردار ہے۔ یہ بات اشارۃً حضرت جلال الدین رومیؒ نے کہی تھی اور اقبال نے ان کا ایک شعر جاوید نامہ میں نقل کیا ہے:

ہر کہ عاشق شد جمالِ ذات را
اوست سید جملہ موجودات را

(جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کے حسن کا طالب ہوا۔ وہ ساری کائنات کا سردار ٹھہرا۔) [22]

حضور ﷺ ہی وجہ تخلیق کائنات ہیں اور آپ ﷺ ہی کی ذات میں وہ جوہر ہے جس کی تلاش و جستجو میں بنی نوع آدم سرگرداں ہے۔ جس نے اس نور (نور مصطفیٰ ﷺ) کے ذریعے اپنی شناخت کر لی اس کی قیمت اسی کے باعث متعین ہو چکی ہے ورنہ اسی نور کی تلاش میں انسان گھومتا پھر رہا ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یازِ نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفی است [23]

"ترجمہ: جہاں جہاں بھی رنگ و خوشبو کی دنیا تمہیں نظر آرہی ہے، ہر وہ دنیا جس کی خاک سے آرزوئیں جنم لیتی ہیں (جس میں کمال حاصل کرنے کی تڑپ موجود ہے) یا تو اس کی قیمت نور محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے ہے یا وہ دنیا نورِ محمدی ﷺ کی تلاش میں سرگرداں ہے"۔

ہر کجا ہنگامہء عالم بود
رحمۃٌ للعالمینی ہم بود [24]

"ترجمہ: جہاں جہاں بھی دنیا کی رونقیں ہیں وہاں وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت رحمۃٌ للعالمین موجود ہے"۔

خلق و تقدیر و ھدایت ابتدا ست
رحمۃ للعالمین انتہا ست [25]

"ترجمہ: مخلوق، تقدیر اور ہدایت مرحلہء تخلیق میں پہلے ہیں۔ رحمۃٌ للعالمین اس تخلیق کے مرحلے کی انتہا ہے"۔

اقبال نے "مثنوی رموزِ بیخودی" میں یہ بتایا ہے کہ "ملت کے پیکر میں رسالت ہی کی وجہ سے روح پھونکی گئی ہے"، وہ فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید
وز رسالت در تنِ ما جاں دمید
از رسالت در جہاں تکوینِ ما
از رسالت دینِ ما آئینِ ما
آں کہ شان اوست ہدی من یرید
از رسالت حلقہ گردِ ما کشید
ما ز حکم نسبت او ملتیم
اہل عالم را پیام رحمتیم
زندگی، قوم از دم او یافت است
ایں سحر از آفتابش تافت است
فرد از حق ملت از وی زندہ است
از شعاع مہر او تابندہ است [26]

"ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمارا (ملی) پیکر تیار فرماکر اس میں "رسالتِ محمدیہ ﷺ" کی وجہ سے روح پھونکی۔ رسالت ہی کی وجہ سے بحیثیت ملت ہماری پیدائش ہوئی اور رسالت ہی کے طفیل ہمیں دین اور دستورِ حیات میسر آیا۔ وہ (اللہ تعالیٰ) جس کی شان یہ ہے کہ جسے چاہے ہدایت دے، اسی نے ہمارے گرد رسالت کا حلقہ کھینچ دیا۔ ہم اس رسالت ہی کی نسبت سے ایک ملت ہو کر عالم انسانی کے لیے باعث رحمت ہیں۔ اس قوم کے ہر

فرد نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی بدولت زندگی پائی ہے اور اس کی صبح کی روشنی آفتابِ رسالت ہی کی عطا کردہ ہے"۔

مثنوی کے اس حصے میں پہلے تو اقبال، آدم کی سرگزشت بیان فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی عقل خام کے ساتھ کیسے کیسے دن دیکھے تھے اور انسانوں کے باہمی میل جول کی کیا کیفیت تھی، ہم اس سے آگاہ نہیں ہیں۔اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ترجمہ: یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نبی پیدا کر دیا جس نے ایک حرف کے ذریعے ایک کتب خانہ لکھوادیا یعنی ایک مکمل نظام زندگی عطا کر دیا۔اس (نبی) کی وساطت سے ایک حقیر ذرہ بھی روشنی حاصل کرلیتا ہے۔انسان کی ہر متاع (پونجی) ایک نئی قیمت پالیتی ہے۔ہر جنس کی قدر بڑھ جاتی ہے۔نبی کی آنکھ (باطل کو) مارڈالتی ہے اور اس کے لبوں سے (حق اس طرح جاری ہوتا ہے کہ) بے روح جسموں میں جان پڑجاتی ہے۔ (یہ اس لیے ہوتا ہے کہ) اس نبی کا تعلق آسمان سے (بذریعہء وحی) استوار ہوتا ہے۔(جس کی بدولت وہ) زندگی کے ٹکڑوں (افراد) کو جوڑ دیتا ہے۔وہ (نبی) انسانوں میں ایک نیا زاویہء نظر پیدا کر دیتا ہے اور (اس طرح زندگی کے بے آب وگیاہ) صحراؤں میں باغ لگا دیتا ہے۔اس کی عطا کردہ (مقاصد کی) گرمی سے قوم حرمل کے دانے کی طرح اچھلنے کودنے اور ہنگامہ برپا کرنے لگتی ہے اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ راہ حق میں ہر باطل سے گرم ستیز ہو جانے کے لیے تڑپ اٹھتی ہے۔وہ (نبی) قوم کے دل میں ایک چنگاری ڈال کر ولولہ پیدا کر دیتا ہے۔جس کی بدولت ملت کے وجود میں ایک شعلہ پیدا ہو جاتا ہے"۔

یہ ہے وہ تصورِ رسالت جس کے طفیل ملتِ اسلامیہ ایک ملتِ واحدہ کے طور پر ابھری تھی۔ اللہ نے تو مسلمانوں کو "توحید" پر ایمان کے بعد صرف اور صرف "رسالت" پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا اور حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نبوت کے خاتمے کا اعلان فرماکر اس بات کا امکان ہی ختم فرمادیا تھا کہ حضورِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی فرد یا گروہ اس بات کا دعویٰ کرے کہ تکمیلِ دینِ اسلام کے بعد بھی اس کی ذات اسی طرح واجب التعظیم اور واجب الاتباع ہے جیسے حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی! یہی وجہ ہے

کہ امتِ مسلمہ کی اکثریت نے کبھی بھی حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا کے بعد کسی بھی بزرگ کو صرف اور صرف اتباعِ رسول ﷺ کی بنیاد پر بزرگ جانا۔ نہ تو انہیں بذاتہٖ واجب الاتباع جانا اور نہ معصوم عن الخطاء قرار دیا۔ ہاں حضورِ اکرم ﷺ کے تمام مومن اقرباء اور صحابہ کرام و ازواجِ مطہرات ، سب کے سب محفوظ عن الخطاء تسلیم کیے گئے۔

اقبال نے یہ نکتہ اپنے ایک خطبے میں واضح کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں :

> "اسلام کی آفرینش' عقلِ استقرائی کی آفرینش ہے۔اسلام میں نبوت اپنی تکمیل کو پہنچی ہے کیوں کہ اس نے اپنے ہی خاتمے کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ اس میں یہ ادراک گہرے طور پر موجود ہے کہ زندگی کو ہمیشہ بیساکھیوں کے سہارے نہیں رکھا جاسکتا اور یہ کہ ایک مکمل خود شعوری حاصل کرنے کے لیے انسان کو بالآخر اس کے اپنے وسائل کی طرف موڑ دینا چاہیے۔اسلام میں پاپائیت اور موروثیت کا خاتمہ، قرآن میں استدلال اور عقل پر مسلسل اصرار اور اس کا بار بار فطرت اور تاریخ کے مطالعے کو انسانی علم کا ذریعہ قرار دینا، ان سب کا تصور ختمِ نبوت کے مختلف پہلوؤں سے گہرا تعلق ہے۔۔۔انسانی فکر کی تاریخ میں اب ہر قسم کا شخصی تحکم جو کسی مافوق الفطرت سرچشمے کا دعویٰ کرتا ہے ختم ہو چکا ہے۔ (27)

پاپائیت اور موروثیت کے خاتمے کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم نے اپنے بعد اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ بنانے کا اعلان نہیں کیا۔حضرتِ حسن ﷺ کو حضرت علی ﷺ کے بعد بحالتِ مجبوری خلافت کا عہدہ سنبھالنے کی ضرورت پیش آئی لیکن بعد میں انہوں نے بھی شاید ملوکیت کے آغاز کا خطرہ' بھانپ کر خود کو خلافت کی ذمہ داریوں سے علاحدہ کر لیا!!!

> "انسانی فکر کی تاریخ میں اب ہر قسم کا شخصی تحکم جو کسی مافوق الفطرت سرچشمے کا دعویٰ کرتا ہے ختم ہو چکا ہے"۔

علامہ اقبال کی اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں جاننا ہو گا کہ اقبال دینِ اسلام کے اس VERSION کو تسلیم کرتے ہیں جس میں عربیت غالب ہو۔عجمی نظریات کے ضمن میں اقبال کے بے شمار تحفظات ہیں۔اسی لیے وہ برملا کہتے ہیں :

تب و تابِ بتکدۂ عجم نرسد بسوز و گدازِ من
که بیک نگاهِ محمدِّ عربی گرفت حجاز من [28]

(ترجمہ : غیر عرب بتکدہ کی چمک دمک میرے سوزوگداز کو نہیں پہنچتی۔۔۔یعنی غیر عربی یا غیر اسلامی تصورات و نظریات میری طبیعت کو راس نہیں ہیں۔کیوں کہ میرے دل پر حضورِ اکرم ﷺ کی نگاہِ لطف و کرم کا اثر بہت گہرا ہو چکا ہے۔گویا آپ کی تعلیمات کے ارتکاز کی وجہ سے میرا دل ہی حجاز بن گیا ہے)۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اقبال کے درجِ بالا شعر کی بہت اچھی تشریح کی ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ من و عن یہاں نقل کردی جائے:

''تب و تاب بتکدۂ عجم کنایہ ہے غیر اسلامی تصورات سے۔محمد عربی ﷺ کنایہ ہے اسلامی تعلیمات سے۔اور حجازِ من کنایہ ہے قلبِ عاشق سے۔کہتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات نے آنِ واحد میں میرے دل و دماغ پر اس طرح قبضہ کرلیا ہے کہ اب عجمی تصورات (غیر اسلامی خیالات) میری نگاہ میں بالکل بے قیمت ہو کر رہ گئے ہیں یعنی عاشقِ رسول ﷺ غیر اسلامی خیالات سے متاثر نہیں ہو سکتا''۔ [29]

یہی وجہ ہے کہ اقبال نے عام مسلمان کو حضورِ اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کی حدود ہی میں رہنے کا مشورہ دیا :

شکوه سنجِ سختیء آئیں مشو
از حدودِ مطفیؐ بیروں مرو [30]

''آئین و احکامات کی سختیوں کی شکایت مت کرو۔ حضورِ اکرم ﷺ کی متعین کردہ حدودِ شریعت سے کبھی اپنا قدم باہر مت نکالو''

اقبال نے حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کی تفہیم کا انداز اسی طرح اختیار کیا جیسا ان کے معنوی رہنما حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنایا تھا۔ لیکن اقبال بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اتباعِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی بنیاد پر عہدِ رسالت مآب سے قیامت تک آنے والا ہر مسلمان لائقِ تعظیم ہے۔ کیوں کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کی اتباع کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور ایمان اور اعمالِ صالحہ کے معیارات کو برقرار رکھنے والوں کے لیے اپنی مخلوق کے دلوں میں ان کی محبت پیدا فرمادیتا ہے۔ (31) اقبال کے کلام میں بزرگانِ دین کے مناقب کی موجودگی اس بات کی واضح دلیل ہے۔

لیکن بزرگانِ دین کی محبت میں بھی غلو کا عنصر مٹانے، نبوت کے تصور میں جزوی شرکت کے رجحان کو بھی زائل کرنے اور ختم نبوت کے مسئلے کو دو ٹوک انداز میں سمجھانے کے لیے ہی اقبال نے اپنے ایک شعر میں اس حقیقت کو مزید واضح فرمادیا کہ حضورِ اکرم ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم میں وحی کے تسلسل کا تصور "شرک فی النبوت" ہے اور نبی علیہ السلام کے بعد کوئی بھی نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی طرح واجب الاتباع نہیں ہے نہ ہوسکتا ہے۔

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہر مفہوم شرک
بزم را روشن ز نورِ شمعِ ایماں کردہ ای (32)

"اے نبی کریم علیہ السلام! آپ ﷺ کے بعد نبوت ہر مفہوم میں ظاہر یا پوشیدہ مفہوم میں، جیسے کسی کو نبی کی طرح واجب الاتباع قرار دینا شرک ٹھہری۔۔۔ آپ ﷺ نے محفلِ امکاں کو ایمان کے نور کی شمع سے جگمگا دیا"۔

الحاصل، امتِ مسلمہ کا اتحاد اس بات پر منحصر ہے کہ بلا شک و ریب حضورِ اکرم ﷺ کے جو اعمال و افعال و گفتار و تقریری آثار امت تک تواتر کے ساتھ پہنچے ہیں صرف ان کو اختیار کرلیا جائے۔ حضورِ اکرم کی ذات پر دین کی تکمیل ہوئی ہے اس پر کامل ایمان لا کر بعد میں پیدا ہونے والی بدعتوں اور تاریخ میں رونما ہونے والے واقعات کی بنا پر بننے والے عقائد سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، پورے اخلاص سے دین کی رسی (قرآنِ کریم) کو مضبوط پکڑ لیا جائے۔

حافظ شیرازی نے کیا پتے کی بات کہی ہے:

مصلحت دیدِ من آنست که یاراں بمه کار
بگزارند و خمِ طُرّۂ یارے گیرند [33]

"میرے نزدیک تو اب یہی ایک مصلحت رہ گئی ہے کہ سارے دوست سارے کام چھوڑ چھاڑ کر محبوب کی زلف کے خم کی طرف مشغول ہو جائیں۔ یعنی محبوب کی زلفوں کا حلقہ تھام لیں کیوں کہ محبوب کی زلف سے وابستگی ہی دنیا کے تمام غموں سے نجات کا ذریعہ ہے"۔

حافظ کے اس شعر میں محبوب ' حضورِ اکرم ﷺ کی ذات ہی کو سمجھنا چاہیے اور خمِ طُرّۂ یار سے "دین" کی رسی مراد لینی چاہیے۔ اقبال کا سارا پیغام یہی ہے مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ساری توجہ حُبِّ رسول ﷺ اور اتباعِ رسول ﷺ کی غرض سے حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات پر مرکوز کر دی جائے"۔

بال جبریل میں شامل نظم "ذوق و شوق" فکر و فلسفہء اقبال کا ایک ایسا شاہکار ہے جس میں حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت کے بھرپور ادراک کے ساتھ انہوں نے اسلامی تاریخ کے روشن ماضی کے نقوش کی طرف تخلیقی قوت کے ساتھ اشارے کیے ہیں۔ کمزور حال کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ لیکن عشقِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی قوت حاصل کر کے اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کا نسخہ بھی بتایا ہے:

آیہء کائنات کا معنیٔ دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
جلوتیانِ مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق
خلوتیانِ میکدہ کم طلب و تہی کدو
میں، کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!
بادِ صبا کی موج سے نشو و نمائے خار و خس!
میرے نفس کی موج سے نشو نمائے آرزو!
خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش

ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو! (34)

اقبال نے اس نظم کے اکثر اشعار فلسطین میں لکھے تھے اور غیر منقسم ہندوستان کی بنسبت فلسطین چوں کہ مدینہ منورہ سے زیادہ قریب تھا اس لیے ان کے دل میں مدینہ منورہ کی حاضری کا ذوق و شوق انتہائی درجہ بڑھ گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظم کے ابتدائی اشعار پر عرب کے جاہلی عہد کے شعراء کے سبعہ معلقہ قصائد اور شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہء میمیہ کا اثر ہے۔ جاہلی شعراء کے قصائد کی تشبیب میں ان کی محبوبہ کی یاد کا احوال رقم ہوتا تھا اسی کی مناسبت سے بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدے میں موضع ذی سلم اور وادیء کاظِمَہ اور پہاڑی سلسلے اضَمُ کا ذکر کیا تھا۔ اقبال نے بھی کوہِ اَضَم اور ریگِ نواحِ کاظِمَہ کا ذکر کیا ہے۔

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب!
کوہِ اضَمْ کو دے گیا رنگ برنگ طَیلساں!
گرد سے پاک ہے ہوا' برگِ نخیل دھل گئے
ریگِ نواحِ کاظِمَہ نرم ہے مثلِ پرنیاں! (35)

نظم کے تیسرے بند میں اقبال نے براہِ راست نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی عظمت کا بیان کیا ہے۔ کائنات ایک لفظ ہے تو اس کی روح 'معنی اور منبع و غایت حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والاصفات ہے۔ لیکن معنی کی تلاش میں نکلنے والوں کو آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کا ادراک ہونا ذرا مشکل ہے۔ کیوں کہ انسانی عقل 'عَبْد' کو تو سمجھ سکتی ہے ''عَبْدُہ '' کا ادراک اس کے بس کی بات نہیں ۔ اس لیے اقبال نے حضورِ اکرم ﷺ کو ''معنیء دیر یاب'' کہا۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اس شعر کی شرح کرتے ہوئے بڑی پُر مغز باتیں کی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تحریر کا کچھ حصہ بطورِ اقتباس یہاں پیش کر دیا جائے:

''حضور(ﷺ) تو بالاتفاق ''برزَخِ کبریٰ'' ہیں۔ پس حقیقتِ محمدیہ (ﷺ) جو حقیقۃ الحقائق ہے' اس کا سمجھنا بلا شبہ نہایت مشکل ہے ۔ کائنات کے مختلف مراتب میں اللہ نے برزخ کا سلسلہ قائم فرمایا ہے۔ چنانچہ :

جمادات اور نباتات کے درمیان، مرجان، برزخ ہے

نباتات اور حیوانات کے درمیان چھوئی موئی کا پودا برزخ ہے
حیوانات اور انسان کے درمیان بن مانس برزخ ہے
انسان اور خدا کے درمیان حقیقتِ محمدی (ﷺ) برزخ ہے۔

اسی بات کا ایک عاشقِ رسول ﷺ نے یوں بیان کیا ہے:

اِدھر مخلوق میں شامل 'اُدھر اللہ سے واصل!
خواص اُس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کائنات کی ساری قدروقیمت اور خوبی آپ ﷺ ہی کے دم سے ہے۔یعنی جس شئے میں آپ ﷺ کا نور نسبتاً زیادہ ہے وہ شئے دوسری اشیاء سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسی لیے ساری دنیا آپ ﷺ کے نور سے فیضیاب ہونے کے لیے بیتاب اور بے قرار ہے' اسی لیے ساری دنیا آپ ﷺ کی تلاش میں سرگرداں ہے۔۔۔یا زنورِ مصطفیٰ ؐ اورا بہاست۔۔۔یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ؐ است)۔۔۔ [36]

اگلے شعر میں اقبال نے اپنے عہد کے علماء کو بے بصیرت و بے ذوق کہا ہے کیوں کہ وہ اپنی دنیا بنانے میں اپنے منصب کے تقاضوں سے آنکھیں بند کرچکے ہے۔ صوفیوں کی خانقاہوں میں بھی اللہ کی محبت کے ساغر پلانے کے بجائے دنیا طلبی کا درس مل رہا ہے۔ پھر اقبال کہتے ہیں کہ میں اسلامی تاریخ کے سنہرے دور کی بازیابی کا خواہش مند ہوں اور کھوئے ہوئے عظیم فرزندانِ اسلام کے کردار کی جھلک دیکھنے کی جستجو رکھتا ہوں۔ عمومی فضا میں تو صرف کانٹے اور گھاس اگتی ہے جبکہ میرے فکر و فن سے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔۔۔اس نکتے کو اقبال کے ایک فارسی شعر سے سمجھا جاسکتا ہے :

ما زتخلیقِ مقاصد زندہ ایم
از شعاعِ آرزو تابندہ ایم [37]

"ہم اپنے مقاصد کی شعوری تخلیق ہی سے زندہ ہیں اور اس مقصد اور آرزو کی کرن ہی سے ہماری چمک دمک قائم ہے۔۔۔۔۔۔انسان اور بہائم میں فرق ہی نصب العین کے ہونے نہ ہونے کا ہے"۔

ذوق و شوق کے مذکورہ شعر میں بھی اقبال نے اپنا شعری مسلک یہی بتایا ہے کہ مقاصد کی تخلیق اور آرزو کی نشو و نما کے لیے ہی میں شعر کہتا ہوں۔ پھر اقبال کہتے ہیں کہ میں نے اپنے فن کی پرورش اپنے خونِ جگر سے کی ہے ، میری آواز شعر میں میرا لہو شامل ہے۔اس کے بعد انہوں نے اپنی تصنیف زَبورِ عجم

سے ایک شعر نقل کیا ہے۔ وہ حضورِ اکرم ﷺ سے استدعا کرتے ہیں کہ میرے دلِ بے قرار کو میری تخلیقِ آرزو کی جدوجہد سے کبھی فرصت نہ دیجیے۔بلکہ مجھے عشقِ کی پیچیدگیوں میں مزید الجھائے رکھیے!!!

فرصتِ کشمکش مدہ ایں دلِ بے قرار را یک
دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را [38]

"اے میرے محبوب حضورِ اکرم ﷺ! آپ مجھے اپنے جمالِ جہاں آرا کے فیضان سے مسلسل متمتع ہونے کا موقع عطا فرماتے رہیے۔اپنے بل کھائے ہوئے گیسوؤں میں اور ایک دو شکن کا اور اضافہ فرمالیجیے تاکہ میں تا حیات اسی عشق میں مبتلارہ سکوں"۔

اگلے بند میں اقبال نے وہ شاہکار اشعار پیش کیے ہیں جن کی مثال پوری اردو نعت کی تخلیقی تاریخ میں نہیں ملتی۔

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گُنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہِ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جُنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری ﷺ نگاہِ ناز سے دونوں مراد پاگئے
عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب
تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوہءِ بے حجاب سے [39]

حضورِ اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارک ہے "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ "(پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے) (40) ایک حدیثِ میں ارشاد فرمایا "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ ا لْقَلَمْ"۔۔۔(پہلے جو چیز اللہ نے پیدا کی وہ قلم ہے) (41) ۔۔۔ایک اور حدیث میں ہے "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ"(سب سے پہلے جو چیز اللہ نے پیدا کی وہ عقل ہے) (42)

صاحبِ سرِّ دلبراں لکھتے ہیں :

> "حضور سرورِ کائنات ﷺ عقل کی صورت ہیں اور خدا کا قلم ہیں اور دعوت الی اللہ کی حقیقت اور شریعت کے وضع کرنے میں آپ عقولِ جزویہ ہیں اور تینوں احادیث سے آپ ہی کی ذات مراد ہے۔ (43)

حضرت ذوقیؒ مزید لکھتے ہیں:

> "جب اللہ تعالیٰ نے عالمِ روحانی کا ابداع کیا اور عالمِ جسمانی کی تخلیق فرمائی تو نورِ نبوت کو عقلِ اول کی ذات سے اس طرح نکالا جس طرح مکان کا نقشہ انجینئر کے ضمیر سے نکلتا ہے۔ چنانچہ اسی نور سے چاند سورج روشن ہوئے اور اسی نور سے عرش و کرسی اور لوح و قلم کو قیام ملا"۔ (44)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اِنَّ خُلُقَ نَبِیِّ اللّٰہِ ﷺ کَانَ الْقُرْاٰنُ"(حضورِ اکرم ﷺ قرآنِ پاک میں بیان کردہ تمام اخلاقِ جلیلہ اور اوصافِ حمیدہ کا مجسمہ تھے)۔۔۔ (45)

ان تمام روایتوں کو پیشِ نظر رکھیں تو اقبال کی استعاراتی زبان "لوح"، "قلم" اور "الکتاب" کے مفاہیم سمجھ میں آسکتے ہیں۔کیوں کہ آپ ﷺ کے نور کی تخلیق ہی تخلیقِ اول ہے بقیہ تخلیقات نورِ اولیں کی تخلیق کا تتمہ ہیں اس لیے ان کے نام بھی حضورِ اکرم ﷺ کے اسمائے گرامی کے دائرے میں آسکتے ہیں۔" الکتاب " قرآنِ صامت ہے اور حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات قرآنِ ناطق اور مجسم، اس لیے آپ ﷺ کے وجود کو "الکتاب" کہنے میں بڑی معنویت ہے۔رہا آسمان کا آپ ﷺ کی ذات کے محیط میں ایک بلبلہ ہونا۔۔۔تو حقیقتِ محمدیہ اصلِ کائنات ہے اس محیط میں آسمان کی حیثیت سمندر میں بلبلے کی سی ہی ہے۔ اس خاکداں کو آپ کی تشریف آوری کے باعث فروغ حاصل ہوا ہے کیوں کہ آپ نے خاک کے ہر ذرے کو سورج جیسی چمک عطا فرمادی۔یعنی انسانی سرشت میں جو حیوانیت تھی اور جس کا مظاہرہ

آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہر لمحہ ہورہا تھا، آپ ﷺ نے اس حیوانیت کا رخ انسانیت کی اعلیٰ اقدار کی طرف پھیر دیا۔ اس طرح آپ نے ذروں کو آفتاب کی چمک دمک عطافرمادی۔ تاریخ عالم میں آپ کی امت کے بادشاہوں کی شان و شوکت سے آپ ﷺ کے جلال کی جہت سامنے آتی ہے اور صوفیہ کرام کے فقر میں آپ ﷺ کے حسنِ معاشرت و سلوک کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ سلطان سنجر، سلجوقی خاندان کا بڑی شان و شوکت والا بادشاہ تھا اور سلطان سلیم اول سلطنتِ عثمانیہ ء ترکی کا نامور فرماں روا تھا۔ حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی رحمہم اللہ صوفیہ کرام کے سرخیل ہیں۔

علامہ نے رموزِ بیخودی میں ایک باب قائم کیا ہے جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی رسالت کا مقصد انسانی معاشرے کو مساوات کی بنیاد پر استوار کرنا ہے۔

بود انساں در جہاں انساں پرست
ناکس و نابود مندو زیردست
سطوت کسریٰ و قیصر رہزنش
بندہا در دست و پا و گردنش
کاہن و پاپا و سلطان و امیر
بہریک نخچیر صد نخچیر گیر
صاحبِ او رنگ و ہم پیر کنشت
باج برکشتِ خرابِ او نوشت
از غلامی فطرت او دوں شدہ
نغمہ ہا اندر نئے او خوں شدہ
تا امینِ حق بحقداراں سپرد
بندگاں را مسندِ خاقاں سپرد
حرّیت زاد از ضمیرِ پاکِ او
ایں مئے نوشیں چکید از تاکِ او (46)

"نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اس دنیا میں انسان اپنے جیسے انسان کی پرستش کرتا تھا۔ نوعِ انساں انتہائی کمزور تھی۔ ایران کے بادشاہ اور روم کے شہنشاہ کی شان و شوکت نے، راہزن بن کر انسان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، گردن میں رسی اور پیروں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ اس دنیا میں انسان کے شکار کے لیے سینکڑوں شکاری تھے۔ کوئی غیب کی خبریں

بتانے والا کاہن تھا تو کوئی پاپا کا روپ دھارے ہوئے تھا۔ کوئی بادشاہ کی صورت میں تھا تو کوئی امیر تھا۔ بادشاہ اور کلیسا کا مذہبی رہنما دونوں ہی انسانیت کی اجڑی ہوئی کھیتی پر لگان وصول کرتے تھے۔ انسان کی فطرت بھی غلامی کے باعث پست ہوگئی تھی۔ اس کی بانسری میں نغمے خون آلود ہوگئے تھے۔ ایسی فضا میں محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور ہوا اور آپ نے بادشاہوں کے تخت، غلاموں کے سپرد کرکے حقداروں کو ان کا حق دلوادیا۔ اس طرح انسان کی آزادی نے آپ ﷺ کے قلبِ پاک سے جنم لیا اور یہ نئی اور میٹھی شرابِ طہور آپ کیلگائی ہوئی انگور کی بیل سے دستیاب ہوئی"۔

اقبال کا اپنا حال یہ تھا کہ وہ بیشتر اوقات قلب و ذہن و روح کے ساتھ اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اسی کیفیت کی ایک نظم "بانگِ درا" میں ہے جس کا عنوان ہے "حضورِ رسالت مآب ﷺ میں"۔ اس نظم کے اکثر اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال حضورِ اکرم ﷺ کی محفل میں حاضر ہیں:

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضورِ آیہء رحمتؐ میں لے گئے مجھ کو
۔۔۔ کہا حضورؐ نے اے عندلیبِ باغِ حجاز
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا؟

اس کے بعد اقبال عرض کرتے ہیں:

حضور ﷺ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ وگُل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اِک آبگینہ لایا ہوں
جو شے ہے اِس میں وہ جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اِس میں

طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اِس میں (47)

اس نظم سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اقبال نے جنابِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دربار میں بھی امت کا احوال ہی پیش کیا اپنی ذاتی روحانی و قلبی واردات کا ذکر نہیں کیا۔ امت کو اسلامی اقدار کا پابند رہنے کی تلقین اور حضورِ اکرم ﷺ کی سچی پیروی اور محبت کی دعوت دینا ہی اقبال کا فکری و شعری مسلک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ انہوں نے تو شاعری کو پیغام پہنچانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ محض شاعری نہیں کی ہے۔

مفلس قوم کے تانبے کو اکسیر بنانے کے لیے ہر ہر زاویئے سے دعوتِ عمل دی اور عشقِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی غایت کا احساس دلایا:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کر دے (48)

اور:

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری

مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری

ماسوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری

تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں (49)

خلاصۃ البحث

علامہ اقبال فارسی، اردو نعتیہ شاعری کے بہت بڑے شاعر ہیں۔ انہوں نے اردو، فارسی نعتیہ شاعری کی خوب زلفیں سنواری ہیں۔ علامہ اقبال کشمیر کے ایک براہمن خاندان کے چشم وچراغ تھے، جو گذشتہ کئی نسلوں سے سیالکوٹ میں مقیم تھا۔ اس خاندان نے اسلام قبول کرلیا۔ آپ کی ولادت 1877 میں

ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم قدیم طرز پر مکتب سے شروع ہوئی لیکن بعد میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے سیالکوٹ کے مشن اسکول میں داخل ہوئے۔

شاعری کا آغاز مادری زبان پنجابی سے ہوا، بعد میں شمس العلماء مولوی میر حسن کے مشورے سے اردو میں شاعری کرنے لگے۔ علامہ اقبال کی شاعری محبت وطن اور محبت قوم سے شروع ہوئی اور محبت الٰہی اور محبت رسول پر ختم ہوئی۔ آپؒ کا انتقال 21اپریل1938 کو ہوا۔

عشق رسول سے بڑھ کر دنیا میں کونسی چیز اہم ہوسکتی ہے، خدا کی خوشنودی ومعرفت، عشقِ رسول پر موقوف ہے۔ عشق رسول کے بناء خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنا ایک امر مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔خدا کا مقصد اس دنیا کی تخلیق سے اپنے پیارے حبیب کی تخلیق ہے۔ علامہ اقبال کو حضور سرور کائنات سے بے پناہ محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا سالک فرماتے ہیں:

> ”ان کے گزارِ قلب اور رقت احساس کا یہ عالم تھا کہ جہاں ذرا حضور سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کی رافت ورحمت یا حضور سرورِ کائنات کا ذکر آتا تو حضرت علامہ کی آنکھیں بے اختیار اشک بار ہوجاتیں اور دیر تک طبیعت نہیں سنبھلتی۔“

اس طرح کے بے شمار واقعات مذکور ہیں۔ جن سے علامہ اقبال کے عشقِ رسول کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں کس قدر سرور کائنات سے عشق تھا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں
سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جہاں ہمارا
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے

ایسے بے شمار اشعار کلیات اقبال میں موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ کو حضور سرور کائنات سے کس قدر عشق تھا۔ علامہ اقبال کے کلام میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

آپ قرآن واحادیث کے استفادہ سے نعت کو رفیع ودقیق بنایا۔ ان سرچشمہ ہائے علوم کے علاوہ آپ نے منطق وفلسفہ، ریاضی، ہیئت ونجوم، ہندسہ ومابعد الطبیعہ جیسے جملہ علوم کی اصطلاحات کو بھی نعت میں سمویا ہے۔ سیرت اطہر کی متحرک ولافانی تصویریں نعت کے آئینے میں جس حسن وخوبی سے دکھایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ تمام شعری صنعتیں اپنی نعت میں استعمال کی ہیں۔ مگر کمال فن یہ ہے کہ صنعت گری میں بھی تخلیق کارنگ نمایاں ہے اور تصنع یا آورد کا گمان تک نہیں ہوتا۔ سنگلاخ زمینوں کو بھی اپنے کمال فن سے معنوی خوبیوں سے گلزار بنادیا۔ مصرعوں کے اندر قوافی کے التزام سے موسیقی کا ایسا نادر اہتمام کیا کہ کسی دوسرے شاعر کے یہاں نظر نہیں آتا۔ فنی شکوہ اور معنوی التزامات نے قصائد کی روایات کو نئی فضا اور نیا آسمان دکھایا۔ تمام فنی اور فکری امتیازات سے بڑھ کر علامہ اقبال کی نعت میں جو پہلو سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے وہ نعت میں گہری وابستگی اور داخلی کیفیات کا اظہار ہے۔

علامہ نے عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں ہی فلسفے کو بڑی خوبی سے بیان کیا۔ ان اشعار سے ان کی دلی وابستگی کا پتہ چلتا ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام سے کس قدر عشق تھا۔ آخر کے دور میں انہوں نے خود کو اسلام کے فروغ اور سیرت نبوی بیان کرنے کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کی اس خدمت کو عالم اسلام رہتی دنیا تک فراموش نہیں کر پائے گا۔ ایسی شخصیت صدیوں میں جنم لیتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1 اقبال، کلیاتِ اردو، سروسز کلب، 1995ء، ص49

2 اقبال، جاوید نامہ، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص97

3 این میری شمل، شہپر جبریل، مترجمہ: ڈاکٹر محمد ریاض، گلوب پبلیشرز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص۱۸۷

4 اقبال، پیامِ مشرق، شیخ بشیر اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص185، غزل34

5 مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خان، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۶ء، ص۶۰

6 جاوید نامہ، ص63

7 ایضاً

8 پیامِ مشرق، ص147
9 کلیاتِ اقبال، اردو، (بالِ جبریل)، سروسز کلب، ۱۹۹۵ء، ص ۲۷
10 ایضاً ۲۵/ ۷ /۳۱ ا ا۔ اقبال، ارمغانِ حجاز، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص ۴۸
11 پیامِ مشرق، ص147
12 ایضاً ص ۵۰
13 ایضاً ص ا ۷
14 جاوید نامہ، 180
15 ایضاً ص 181
16 الانفال، 8 : 17
17 این میری شمل، پروفیسر، ڈاکٹر، شہیرِ جبریل، مترجم: محمد ریاض، ڈاکٹر، گلوب پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۷
18 جاوید نامہ ص24
19 ایضاً، ص122
20 جاوید نامہ، ص ۱۹
21 یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، شرحِ پیامِ مشرق، عشرت پبلسنگ ہاؤس، لاہور، س۔ن۔، ص ۴۹۹
22 ایضاً، ص179
23 ایضاً، ص176
24 ایضاً ص178
25 اقبال، اسرارِ خودی، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص 31 تا 35 اور 247 تا 251
26 رموزِ بیخودی، ص163
27 اقبال، پیامِ مشرق، شیخ بشیر اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص185، غزل 34
28 اسرارِ خودی، ص67
29 "یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے انہوں نے نیک کام تو عنقریب پیدا کر دے گا ان کے لیے، رحمٰن دلوں میں محبت۔۔۔ القرآن، آیت نمبر ۹۶ سورۂ مریم۔
30 کلیاتِ باقیاتِ شعر اقبال، ڈاکٹر صابر کلوروی، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء، ص ۹۹
31 شرحِ دیوانِ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ، پروفیسر میاں مقبول احمد، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، س۔ن، لاہور، ص534
32 کلیاتِ اقبال، اردو، (بالِ جبریل)، سروسز کلب، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱۲
33 کلیاتِ اقبال، اردو، (بالِ جبریل)، ص ۱۱۱

34 پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح بالِ جبریل، عشرت پبلشنگ ہاؤس، غزنی سٹریٹ، لاہور، س۔ن۔ ص ۵۵۲
35 اسرارِ خودی، ص29
36 کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۱۱۳
37 کلیاتِ اقبال (اردو)، ص ۱۱۳
38 حضرت شاہ سید محمد ذوقیؒ، سِرّ دلبراں، نارتھ کراچی، کراچی، طبع پنجم: ۱۴۱۸ھ، ص ۳۷۶
39 سِرّ دلبراں، ص376
40 مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب جامع صلاة اللیل ومن نام عنه او مرض، رقم الحدیث1739۔
41 محولہ بالا
42 ایضاً، رقم الحدیث:1739
43 سِرّ دلبراں، ص377
44 مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق مع مثنوی مسافر، شیخ بشیر اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص82
45 کلیاتِ اقبال (اردو) ص ۱۱۴
46 کلیاتِ اقبال (اردو)، ص24
47 کلیاتِ اقبال (اردو) ص ۲۰۷
48 ارمغانِ حجاز، ص32
49 دیوانِ غالب (ردیف، الف)